''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کی اسلوبی تکنیک: ایک تحقیقی جائزہ

محمد جواد* / پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین**

Abstract:

The beauty of a literary work depends on both its content and its usloob —the distinctive style through which ideas are expressed. Although "style" and "mode of writing" may seem similar, critics clearly separate them. Style includes structure, tone, aesthetic appeal, and the thoughtful, effective use of language. It reflects the writer's personality and appears in various forms such as classical, romantic, narrative, and expository styles.Shamsur Rahman Faruqi occupied a distinguished place in Urdu criticism, translation, journalism, and education, but his most unique contribution was in fiction. His 2006 novel Kai Chand Thay Sar-e-Aasmaan remains an exceptional work.As noted, style is shaped not only by language but by artistic conventions. In this novel, Faruqi uses a prose style that evokes the atmosphere of the fifteenth and sixteenth centuries.This research study examines the distinctive prose style Faruqi employed in Kai Chand Thay Sar-e-Aasmaan.

رب العالمین نے ہر انسان کو منفرد پیدا کیا۔ انسانی فطرت بھی انفرادیت کو پسند کرتی ہے۔ فنون لطیفہ سے متعلق افراد مختلف صلاحیتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ودیعت کردہ صلاحیتوں کو شعر و ادب میں اپنا منفرد مقام پانے کے لیے پوری تن دہی سے لگاتا ہے۔ شعر او ادبا میں بنیادی فرق اور انفرادیت جس چیز سے پیدا ہوتی ہے، وہ اسلوب، انداز تحریر، اندازِ نگارش کہلاتا ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری نے اسلوب کی تعریف یوں کی ہے:

---

* پی ایچ ڈی اسکالر شعبہ اردو جامعہ پشاور

** ڈین جامعہ پشاور

"لکھنے کا طریقہ، کسی ادبی شخصیت ادبی گروہ یا دور کا اپنا منفرد طریق اظہار، مصنف کا تخلیقی ضابطہ جس میں توضیح، قوت تاثیر اور حسن وغیرہ اجزا موجود ہوں۔"(۱)

اسلوب کی کوئی حتمی تعریف اب تک موجود نہیں، تاہم ادب میں اسلوب سے مراد لکھاری کے طرزِ نگارش کی انفرادیت یا الفاظ اور جملوں کو فنی اعتبار سے برتنے کا سلیقہ ہے۔ شاعری میں جسے آہنگ کہتے ہیں، نثر میں اس کو اسلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مشہور نقاد امیر اللہ شاہین اسلوب کے بارے میں یوں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

"اسلوب نام اس آواز کا جس کی صورت گری ان علامتوں سے ہوتی ہے جو لفظوں کی شکل اختیار کر کے ایک مفہوم ادا کرتی ہیں۔ ان لفظوں سے جملے اور عبارتیں اور ان سے زبان وجود میں آتی ہیں۔ شاعری میں آواز آہنگ سے اور نثر میں یہی اسلوب سے عبارت ہے۔"(۲)

جس طرح کسی انسان کی حسن کاری کا پہلا عکس اس کے چہرے کی شادابی اور ظاہری رنگ کا ہوتا ہے، اسی طرح کسی ادبی تخلیق اور فن پارے کے حسن میں اسلوب بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ بدیع الاسلوب، اس اسلوب کو کہتے ہیں جس کا انداز بیان بے مثل ہو اور جو ہر بات کو نہایت دلکش طریقے سے بیان کرتا ہے۔ دلہن کے بناؤ سنگھار میں اس کے زیور کا اہم حصہ ہوتا ہے، اسلوب ادب کا زیور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کسی تحریر کا وہ وہ متاثر کن پہلو جو قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، اسلوب ہی ہے۔ گوپی چند نارنگ کے الفاظ میں:

"ادبی اسلوب بدیع وبیان کے پیرایوں کو شعر وادب میں بروئے کار لانے اور ادبی حسن کاری کے عمل سے عہدہ برآ ہونے سے عبارت ہے۔ یعنی ایسی شے ہے جس سے ادبی اظہار کے حسن کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ گویا اسلوب زیور ہے ادبی اظہار کا جس سے اظہار کی جاذبیت، کشش اور تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۳)

اسلوب کی تشکیل میں مصنف کے لب ولہجے کے اتار چڑھاؤ اور الفاظ کے برتنے کے عمل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ یہ عمل دراصل تخلیق کار کی شخصیت سے منسلک ہے۔ قلمکار الفاظ کے وسیلے اپنی کیفیت ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح اس کے الفاظ کی مدد سے ہم اس کی شخصیت کا مرقع تیار کر سکتے ہیں۔ اسلوب کو اس لیے مصنف کی شخصیت کا عکاس کہا جاتا ہے، کہ کسی ادب پارے میں الفاظ کا انتخاب و استعمال مصنف کی شخصیت کا تابع ہے۔ معروف ادیب ابوذر عثمانی اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"جب ہم کسی ادیب یا مصنف کے اسلوب سے بحث کرتے ہیں تو ہم اپنی توجہ محض ادب و فن کے چند مقرر اور مانوس نکتوں کی جستجو تک محدود نہیں رکھتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان میں فن کار کی شخصیت کا رنگ کہاں تک نمایاں ہے اور اس کے زیرِ اثر ان میں کیا معنوی تبدیلیاں ہوئی ہیں؟ فنکار نے کس طرح اپنے موضوع کو برتا ہے اور اپنے جذبات واحساسات کی تنظیم اور افکار وخیالات کی تشکیل کی طرح کی ہے۔ کس طرح اپنے مشاہدے اور مطالعے کو یکسو و منضبط کیا ہے اور بکھرے ہوئے تاثرات کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے انھیں موزوں اور مناسب شکل میں جلوہ گر کیا ہے۔"(۴)

شمس الرحمان فاروقی کا شمار بھی اردو ادب کے صاحب اسلوب نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ شمس الرحمان فاروقی ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کو کالا کانکر ہاؤس پرتاپ گڑھ (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خلیل الرحمان فاروقی تھا۔ روایات کے مطابق انھوں نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز عربی اور فارسی سیکھنے سے کیا۔ ابتدا میں مولوی محمد شریف صاحب سے فیض اٹھایا پھر اعظم گڑھ کے ایک مکتب باغ پر پیٹو میں دینی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ جوبلی ہائی سکول گورکھپور میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں ہائی سکول کا امتحان پاس کیا۔ مزید تعلیم کے لیے میاں صاحب جارج اسلامیہ انٹر کالج گورکھپور میں داخل ہوئے۔ یہاں خوش قسمتی سے انہیں بڑے لائق وفائق اور شفیق اساتذہ میسر آئے۔

انٹر میڈیٹ پاس کرنے کے بعد گورکھپور میں بی اے میں داخلہ لیا۔ اس دوران انہوں نے جغرافیہ، اقتصادیات اور مغربی فلسفے کی تاریخ پڑھی۔ کانٹ، ہیگل، افلاطون اور سگمنڈ فرائیڈ سے واقفیت حاصل کی۔ ۱۹۵۳ء میں بی اے کرنے کے بعد وہ انگریزی ادب میں ایم اے کرنے کی غرض سے الہ آباد پہنچے۔ ۱۹۵۵ء کا سال فاروقی صاحب کے لیے انتہائی مبارک ثابت ہوا۔ وہ انگریزی ادبیات میں اہم اے کے امتحان میں یونی ورسٹی بھر میں اول درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شمس الرحمان فاروقی بلاشبہ زبانِ اردو کے شعر وادب، نقد وترجمہ، صحافت اور تعلیم و تدریس میں یدِ طولیٰ رکھنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پایے کے دانشور بھی رہے ہیں، لیکن ان سب کے علاوہ وہ فکشن کے میدان میں ایک منفرد و مخصوص مقام رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ۲۰۰۶ء میں شائع ہونے والا ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" بہت عمدہ اور لاجواب ناول ہے۔

شمس الرحمان فاروقی کی تحریر اس لیے بھی پر کشش ہوتی ہے کہ وہ ہر قسم کے بیانیہ میں شاید غیر ارادی طور پر یا عادتاً ایسی عبارات لے آتے ہیں کہ ایک طرف تو ان کا مافی الضمیر پوری طرح ان کی منشا کے مطابق واضح

ہو جاتا ہے اور دوسری طرف وہ عبارتی ٹکڑا قارئین کی مذاق سازی کا کام کرتا ہے۔ مستعمل زبان اس دور کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے، اگرچہ کسی جگہ لغت اور متعلقہ دور کے شاعروں کے کلام سے بھی مدد لینا پڑتا ہے۔ اس ناول میں اس دور کی زبان کا خیال رکھا ہے، ساتھ ہی ایک ماہر سماجیات کی مانند معاشرے کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھی ہے اور ان انقلابات کے اسباب اور علتوں کو جاننے کی کوشش بھی کی ہے۔

شمس الرحمان فاروقی نے خود کو اردو تخلیق و تنقید کے لیے وقف کئے رکھا اور خوشگوار حیرت اس وقت ہوئی جب اس کا ناول منظر عام پر آیا۔ اس ناول میں وہ بیک وقت ایک ماہر سماجیات، مورخ، ماہر لسانیات اور کلاسیک ناول نگار کے طور پر ابھرے۔ کئی چاند تھے سر آسماں میں زبان کی تشکیل، موضوع، تغیر الفاظ، علاقائیت، تہذیب و تمدن کے کئی در وا ہوئے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے حالات و واقعات کے ساتھ اس وقت کی زبان لہجہ سب کچھ ناول میں محفوظ ہو گیا۔

ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" شمس الرحمان فاروقی کا تخلیق کردہ ایک ایسا کوزہ ہے، جس میں ناول نگار نے ہزاروں دریا سمو دیے ہیں۔ اس شاہکار فن پارے کو پڑھ کر معروف ادیب انتظار حسین نے مصنف سے کہا کہ "آپ آدمی ہیں کہ جن"؟ زبان کی تشکیل میں بدلتے ہوئے ماحول، موضوع، گفتگو، وقت، علاقائیت اور تہذیب و تمدن کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ شمس الرحمان فاروقی کا یہ ناول اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے حالات و واقعات پر روشنی ڈالتا ہے کہ اس زمانے کی زبان کیسی تھی لہجہ کیسا تھا؟ اس زمانے میں خصوصیت کے ساتھ دہلی اور اس کے قرب وجوار میں فارسی بولنے اور لکھنے کا چلن عام تھا۔ یہی اسلوب ان کی تخلیقی کاوشوں کا حصہ بنتا رہا ہے۔ "کئی چاند تھے سر آسماں" کی پڑھت سے پتا چلتا ہے کہ فارسی تراکیب اور اشعار کا بر محل استعمال اس کا خاص وصف ہے۔

شمس الرحمان فاروقی ناول نگاری کی دنیا میں ایک بڑا نام ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں، جنھوں نے ایک طرف شاعری کی ہے، تو وہیں مختلف اصناف نثر میں بھی نام کمایا ہے۔ وہ ایک عمدہ نقاد بھی ہیں، لیکن فن ناول نگاری میں انھیں جو شہرت ملی، وہ باقی اصنافِ ادب سے بڑھ کر ہے۔ جدید دور کے اردو ناول نگاروں میں شمس الرحمان فاروقی کی اہمیت ہے۔ کئی ناقدین نے ان کے فن سے متاثر ہو کر انھیں مرزا ہادی رسوا کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔

کسی فنکار کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی فن تخلیق کرتا ہے، بالخصوص ماضی کے کردار یا تاریخی شخصیات یا واقعات، اس میں وہ اس دور کی زبان و بیان کا لحاظ بھی پیشِ نظر رکھے، شمس الرحمان فاروقی نے اس ناول

میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے، کئی ماہرینِ فن اور نقادوں نے انھیں اس سلسلے میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ رخسانہ بی بی لکھتی ہیں:

> ''کئی چاند تھے سرِ آسماں" کی زبان بھی تاریخی اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے اور اس میں تمام الفاظ اس عہد اور جگہ کی مناسبت سے استعمال کیے گئے ہیں، یقیناً یہ ایک مشکل اور اہم کام ہے جو ناول نگار نے کیا ہے۔''(۵)

"کئی چاند تھے سرِ آسماں" موضوع کے علاوہ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی اردو کے چند اہم ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ فاروقی صاحب نے ناول میں جو زبان استعمال کی ہے، وہ اردو اور فارسی کے عربی زبان سے بھی ان کی کماحقہ واقفیت کی دلیل ہے۔ اس ناول کی زبان وہ کلاسیک اردو ہے، جس کے نشان اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ آج کے اردو قاری کے لیے یہ زبان اگرچہ تھوڑی مشکل ہو گی، لیکن اس کا اعتراف بہر حال کرنا پڑے گا کہ شمس الرحمان نے قدیم لغات اور محاورات سے عصرِ حاضر کے اردو قاری کو متعارف کرانے کا ایک بڑا ادبی فریضہ انجام دیا ہے۔ ناول کی زبان، بنیادی موضوع، اس کے ارتقائی عمل میں معاون دیگر واقعات اور حالات کو تمام لوازم اور جزئیات کو کامیابی کے ساتھ منعکس کرتی ہے۔ فنکار کے فن اور اسلوب کی کامیابی اس چیز میں نظر آتی ہے کہ جب کوئی مرد مصنف فن تخلیق کرے اور اس میں نسوانی کردار کا بیان آجائے، تو مرد ہونے کے باوجود وہ عورت کی نفسیات، الفاظ اور لب ولہجہ پر پوری قدرت رکھتا ہو، اسی طرح ایک عورت مصنفہ اگر کسی مرد کے متعلق لکھے تو اسے مرد کی نفسیات پر عبور ہو، چنانچہ شمس الرحمان فاروقی کے اسلوب کا کمال اس ناول کے نسوانی کرداروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے مرد کرداروں کی نسبت نسائی کرداروں کو زیادہ بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ کیجیے:

> ''اگر وہ خفا ہو گئے تو؟ ہو جائیں خفا میری بلا سے۔ ایسوں کو تو میں اپنی پیزار پر رکھتی ہوں، وہ میرا کیا کرلیں گے۔ نواب صاحب خفا ہوں گے تو منالوں گی، نہیں تو منجھلی باجی کے ہاتھ میں تو وہ بالکل موم ہیں، ان سے کہہ دوں گی، مجھے کسی موئے مشٹنڈے انگریز کے حرم میں پڑے سڑتے رہنا منظور نہیں بلا سے وہ فارسی ہی بولتا ہے۔۔ وہ انکھ مندی ہوں گی جو دو وقت کی روٹی پر آبرو بیچ دیتی ہیں۔''(۶)

اسلوب بیان میں مصنف کا کمال یہ بھی ہوتا ہے کہ نہ صرف قاری کو الفاظ کے سحر میں جکڑ ادے بلکہ وہ قاری کو چشم تصور سے پر منظر کی جزئیات بھی دکھا سکے۔ "کئی چاند تھے سرِ آسماں" میں گاؤں شہر، میلوں ٹھیلوں کے

مناظر، سیر و تفریح کے واقعات کا بیان بقول غالب دلی زندہ تھی کے مصداق اور ان سب کی منظر کشی میں کافی محنت اور توجہ صرف کی گئی ہے۔

"نیچے بازار میں بہشتیوں، خانچے والوں اور گھر گھر گھوم کر مکھن ملائی، کچوریاں کباب بیچنے والو کی صداؤں سے سارا شہر جاگ اٹھا۔ سعادت خان کی نہر پر ہوا اٹکھیلیاں بھر رہی تھی اور خوشبودار پھولوں کی جھاڑیوں کا سایہ دھیرے دھیرے پانی پر لہرا رہا تھا۔ اس وقت شہر کی ہوا میں وہ طمانیت، وہ طاقت اور وہ توانائی و تازگی تھی کہ لگتا تھا یہ دلی اب بھی عالمگیر کے زیرِ نگیں ہے۔"(۷)

مؤثر اسلوبی تکنیک کے لیے اچھے اور بر محل محاورہ بندی سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں، قصہ کو تاہ مناسب اور بر محل محاورہ بندی ایک بے ساختہ تہذیبی عمل ہے، یہی وجہ ہے کہ عمدہ اور زندہ نثر میں محاورہ بلایا نہیں جاتا، وہ خود بخود آجاتا ہے:

"سیدھے سبھاؤ بات کرو چھوٹی۔ یہ دلی نہیں ہے، رام پور ہے، گھڑی بھر میں سارے بل نکلوا دیے جائیں گے۔"

"میرا بل میرا اللہ ہے اور میرے نواب ہیں۔"

"تمھارے نواب کہاں سے ہو گئے بیگما۔ تم غیر ذات غیر مذہب غیر گھر کی لگائی جس نے چار پیسے دکھائے، اسی کی ہو رہیں۔"

"پھوپھی صاحب۔ آپ کی گالیوں کا گالا بنا کر ہوا میں ارادوں گی، لام کف بکنے سے بچہ آپ کا نہ ہو جائے گا۔"(۸)

فن پارے کو مؤثر بنانے کے لیے فنکار مختلف گر اور طریقے اپناتے ہیں۔ شمس الرحمان فاروقی نے جگہ جگہ عربی زبان کے تراکیب اور الفاظ استعمال کیے ہیں، کہیں قرآن و حدیث سے کام لے کر کرداروں کے مکالموں میں ایک سنجیدہ ماحول اور علمی رنگ پیدا کیا ہے، جس سے ناول میں اثر انگیزی پیدا ہوتی ہے۔ چند مثالیں ہوں:

"سلام ھی مطلع الفجر، الانتظار اشد من الموت، لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ"(۹)

عمدہ اسلوب کی تشکیل میں موقع و محل کی مناسبت سے عربی کی ان مختلف ترکیب کا عمدہ استعمال، انہی کا حصہ ہے اس سے کسی مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور سوچ کو متعدد زاویوں سے وسعت ملتی ہے۔ اسی طرح اردو زبان میں چونکہ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے علاوہ ہندی سنسکرت زبان کے الفاظ بھی پائے جاتے

ہیں۔ چنانچہ ناول کا لطف بڑھانے کے لیے شمس الرحمان فاروقی سنسکرت اور ہندی کے الفاظ کا استعمال بھی عمدگی اور روانی سے کرتے ہیں، مثلاً!

> ''میرے بچے کو مجھ سے شکایت ہو اس سے پہلے میں مر جاؤں تو میں اپنے بھاگوان جانوں۔''(۱۰)

> ''توبہ ہے دیدی، آپ کیسی باتیں کرنے لگیں۔''(۱۱)

شمس الرحمان فاروقی کا شمار ان فنکاروں میں ہوتا ہے، جنھیں زبان و بیان پر کامل قدرت حاصل ہے، باوجود اس کے کہیں کہیں ثقیل اور پر تکلف الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ بعض جگہوں پر ان تکلفات کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور یہ کسی بھی عمدہ و شگفتہ ناول کی زبان معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن ایسے نقص سے ناول کی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ملاحظہ ہو:

> ''۱۸۴۴ء شہر رام پور، نواب سید محمد سعید خان کا دور سعادت نشان و اقبال آسمان، سج دھج میں بازاروں کی چہل پہل میں رونقِ بزم و کوچہ و برزن میں محافل ذکر و مکاتب فکر میں، حلقہ ہائے دین و تعلم میں انجمن آرائی، شعر گوئی و داستان سرائی میں رام پور رشک دہلی و لکھنؤ بنا چاہتا ہے۔''(۱۲)

عمدہ اور منفرد اسلوب میں تراکیب، ذخیرہ الفاظ، صنائع بدائع، علامتیں، استعارے، غرض زبان و بیان کے سارے وسائل حصہ لیتے ہیں اور شمس الرحمان فاروقی کے اسلوب میں یہ سب بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ہندوستان میں ہند تہذیب و ثقافت کے ساتھ اسلامی تمدن کی خصوصیات کو بھی پیش نظر رکھا گیا۔ ناول کی پڑھت ایک سنجیدہ قاری سے زبان کی تاریکیوں کی داد کی متقاضی ہے۔ یہ اسلوب روایت سے نمو پاتا ہے اور اس کی زبان کے مستقبل کے امکانات کی نشاندہی کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری، اسلوب، style

۲۔ امیر اللہ خاں شاہین، اسالیب نثر، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۱ء ص ۱۱۲

۳۔ گوپی چند نارنگ، ادبی تنقید اور اسلوبیات، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء ص ۱۴

۴۔ ابوذر عثمانی، فنکار سے فن تک، فیروز سنز اردو بازار لاہور، ۱۹۸۸ء ص ۳۵

۵۔ رخسانہ بی بی، "کئی چاند تھے سرِ آسماں" اور "غلام باغ" میں کارفرما تاریخی تصورات کا تقابلی جائزہ، مشمولہ "خدا لگتی" ص ۵۸

۶۔ کئی چاند تھے سرِ آسماں، شہر زاد، کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۱ء، ص ۲۲۵

۷۔ شمس الرحمان فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، شہر زاد، کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۱ء، ص ۴۴۳

۸۔ ایضاً، ص ۶۲۳

۹۔ شمس الرحمان فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، شہر زاد، کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۱ء، ص ۲۹، ۳۷۸، ۴۹۱

۱۰۔ کئی چاند تھے سرِ آسماں، ص ۶۴۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۶۰۳